عالمِ اسلام
کی
سیاسی صورتِ حال

اسرار عالم

8642
953.2
387 ا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حامداً ومصلیاً!

نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی امت بنی نوع انسان میں وہ آخری امت ہے جو منصب شہادت پر فائز کی گئی ہے۔ چنانچہ پوری انسانیت کی کامیابی کا انحصار اب اسی گروہ پر ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی تک آتے آتے واضح طور پر محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ امت تاریخ انسانی کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کی خبر دیتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا: عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوے بھیجیں گی جیسے بھوکے (جانور) کھانے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوے دیتے ہیں۔ (ابوداؤد و بیہقی)

اس اندوہناک صورت حال سے زیادہ کرب کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ ــــ جو دنیا کی وہ واحد گروہ ہے جسے ماضی، حال اور مستقبل کا کافی علم (ماکان و ماھو کائن) دیا گیا ــــ آج حیران اور بداعتماد راہ بھٹک رہی ہے اور دنیا کی تاریکیوں سے روشنی کی بھیک مانگ رہی ہے۔ چودہ صدیوں بعد اب آثار قیامت کے ظاہر ہونے کی رفتار تیز تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے گویا کوئی ہار ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں۔

ان حالات کا تقاضا تھا کہ قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں امت کی صورت حال کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا، موجودہ حالات کی تہذیبی کو صحیح زاویہ سے دیکھا جاتا اور آئندہ کے لئے خطوط کار کی نشاندہی کی جاتی تاکہ یہ امت اپنے فرض منصبی کو کما حقہ سر انجام دے کر پوری انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ چنانچہ انہیں امور کو پیش نظر رکھ کر یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس میں مختلف عناوین کے تحت بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا فرمائے۔

اللہ سمیع و مجیب

اسرار عالم

Copyrighted material

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

محترم حضرات!

... میرے لئے یہ بات آسان ہوتی... کہ سیاسی حالات کا تجزیہ عام طور پر جس طرح پیش کیا جاتا ہے، میں اسی نہج پر کوئی بات کہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے سامنے مدارس اسلامیہ کے ذہین طلباء ہی نہیں بلکہ فاضل اساتذہ کرام بھی بیٹھے ہیں، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ آج کی گفتگو ایک خاص زاویہ سے ہونی چاہیئے۔ یہ ایک مکمل گفتگو ہو۔ ایک بھرپور جائزہ۔

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم اُمت مسلمہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی زبوں حالی کا جائزہ لیتے وقت ہم انہیں اقوام مغرب کی صورتحال پر اور اگر ہم وقوع پذیر نشیب و فراز پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ایسا تجزیہ عالم اسلام کا، جسے مغرب پر قیاس کیا گیا ہو ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ، کہ آج عام طور پر ساری دنیا اور بطور خاص ملت اسلامیہ جس نازک اور بحرانی دور سے گزر رہی ہے اس میں آپ ــــ جو مدارس دینیہ کے فارغین ہیں یا وہاں زیر تعلیم ہیں ــــ کا نقطۂ نظر کچھ جداگانہ ہونا چاہیئے۔ آپ کو دوسروں کی طرح حالات کا جائزہ نہیں لینا چاہیئے۔

ان دو باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کے سامنے حالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش

کر رہا ہوں۔

محترم حضرات!

گزشتہ ایک سو سال میں عالم اسلام میں تین ایسی باتیں ہوئیں جو نہایت اہم اور غیر معمولی تھیں۔ ان کی اہمیت تاریخ کے تناظر میں بھی ہے اور دین کے تناظر میں بھی۔ یہاں وقت کی قلت کے سبب میں دونوں تناظر سے متعلق باتوں کی طرف محض اشارہ کروں گا۔ اُمید ہے کہ آپ خود ان نصوص سے جن کا ان باتوں سے تعلق ہے استفادہ یا ان کا استیعاب فرمالیں گے۔ یہ تینوں واقعات گزشتہ ایک صدی میں وقوع پذیر ہوئے۔

① تاریخ اسلامی کا بدترین واقعہ جو نہایت الم انگیز تھا، اور بعض اہل نظر کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد امت میں رونما ہونے والا سب سے دردناک واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے، ۱۹۲۴ء میں رونما ہوا۔ اور وہ تھا خلافت عثمانیہ کا خاتمہ۔ وہ کیسی بھی خلافت خواہ وہ عیسیٰ کچھ بھی تھی، اس کا خاتمہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا نہایت الم ناک واقعہ ہے جو اس صدی میں واقع ہوا۔ ہم اس اعتبار سے نہایت بدقسمت ہیں کہ ہمارے زمانے میں یہ سانحہ فاجعہ پیش آیا۔ اس سے قبل خلافت ایک بار معرض خطر میں آئی تھی لیکن خلافت کا سارا نظام برقرار تھا۔ خلیفہ نہیں رہا۔ تقریباً نصف صدی تک، مگر اسلامی زندگی اور مسلم معاشرہ عملاً بحال اور قائم تھے۔ مسلم معاشرہ کی قوت آئندہ حسب سابق بحال تھی اور عملاً کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔

② تاریخ اسلامی کا دوسرا المناک واقعہ جو اس صدی میں رونما ہوا وہ تھا قبلہ اول کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے جانا رہنا۔

یاد ش بخیر کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یروشلم مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا تو ایک معاہدہ لکھا گیا۔ آپ حضرات نے وہ معاہدہ یقیناً پڑھا ہوگا۔ اس میں حضرت عمرؓ نے نہایت واضح طریقے سے بعض امور طے فرما دیئے تھے، اور بعض اقوام کے سلسلے میں پالیسی منضبط فرمادی تھی اس معاہدے کی اہمیت جہاں تاریخی اعتبار سے ہے وہیں دینی اعتبار سے بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن و سنت کا جو درک رکھتے تھے، اسلام کی جو معرفت انہیں

Copyrighted material

حاصل تھی اور اسلام اور مسلمانوں کی صیانت کے سلسلے میں ان کا ذہن جس طرح کام کرتا تھا اس کا غیر معمولی اظہار اس معاہدے میں ہوا۔ دیگر امور کے علاوہ آپ نے تحریر فرمایا:

ولنہ یکن بایلیاء معہم احد من الیہود (تاریخ طبری)

خلافت راشدہ کے بعد اس صورتحال میں تبدیلی بارہویں صدی عیسوی میں آئی، لیکن اس معاہدے کا کلیتاً انہدام نہیں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ عہدنامہ اور بیت المقدس سے متعلق خلافت راشدہ کی پالیسی منہدم ہوئی تو اس صدی میں۔

۱۹۴۸ء میں فلسطین میں ایک غاصب ریاست اسرائیل کے نام سے ظہور میں آئی، اور پھر اس ریاست کے ذریعہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔ فلسطین کے چاروں طرف ایسی حکومتیں مسلط کی گئیں جنہوں نے رفتہ رفتہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر لیا۔

③ تاریخ اسلام کا تیسرا دردناک واقعہ ۱۹۹۱ء میں رونما ہوا۔ یہ واقعہ تھا یہود و نصاریٰ کا عہد فاروقی کے بعد جزیرۃ العرب میں واپس آنا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کردہ وہ حدیث آپ کے علم میں یقیناً ہوگی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب

اس حدیث میں وصیت کردہ حکم کی تعمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ اس عہد کے بعد ملت اسلامیہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ یہود و نصاریٰ پورے جاہ و جلال اور تغلب کے ساتھ جزیرۃ العرب میں داخل ہو گئے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔

یہ تینوں واقعات اس لئے بیان کئے گئے کہ آپ کو اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے کہ عالم اسلام ان دنوں کن نازک اور بحرانی مراحل سے گزر رہا ہے۔ لہٰذا ہمارا تجزیہ بھی انہیں نزاکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہونا چاہیئے۔

یہ واقعات، یعنی خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، اسرائیل کا قیام، بیت المقدس اور قبلہ اول کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا جانا اور جزیرۃ العرب میں یہود و نصاریٰ کا واپس آنا بظاہر

الگ الگ واقعات وحادثات نظر آتے ہیں، لیکن درحقیقت ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان میں ایک ہی ذہن کی کارفرمائی ہے۔ یہ ایک ہی حکمت عملی اور سازش کا نتیجہ ہیں۔ یہاں آپ کے سامنے ایک واقعہ کا ذکر کفایت کرے گا۔

خلیفہ عبدالحمید کے زمانے میں صیہونی یہودیوں کا ایک وفد خلیفہ سے ملنے گیا۔ یہ ۱۹ویں صدی کے اواخر کی بات ہے۔ اس زمانے تک خلافت عثمانیہ مغربی طاقتوں کے مقابلے میں نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ اس کی مالی حالت خستہ تھی اور خلافت مقروض تھی۔ اس صیہونی وفد نے خلیفہ سے کہا کہ اگر آپ بیت المقدس کا علاقہ اور فلسطین ہمیں دے دیں تاکہ یہودی وہاں آباد ہو سکیں تو ہم یہودی سلطنت عثمانیہ کا سارا قرض ادا کر دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا دیں گے۔ آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ خلیفہ عبدالحمید نے دینی حمیت وغیرت کا ثبوت دیتے ہوئے جو ترکوں کا طرۂ امتیاز ہے، ایک ایسا جواب دیا تھا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ خلیفہ نے اپنے پاؤں کی انگلی سے زمین کی تھوڑی سی مٹی کرید کر کہا کہ اگر یہ ساری دولت دیکر تم لوگ بیت المقدس کی اتنی سی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گے۔

اس صیہونی وفد کا سربراہ ایک ترک یہودی قرہ صو آفندی تھا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ چند ہی سالوں کے بعد جو شخص مصطفےٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت کے خاتمہ کا پروانہ لیکر خلیفہ کے پاس گیا وہ کوئی اور نہیں یہی یہودی قرہ صو آفندی تھا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

میں نے اس واقعہ کا تذکرہ اس لئے کیا ہے تاکہ آپ کی سمجھ میں بخوبی آجائے کہ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، صیہونی حکومت کا قیام، بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ اور کویت سے عراقی انخلاء کے بہانے یہود و نصاریٰ کا جزیرۃ العرب میں آجانا الگ الگ واقعات نہیں بلکہ ایک ہی سازش کے مختلف مرحلے ہیں۔

مغربی تہذیب جس کا سربراہ اس وقت امریکہ ہے ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے۔

یہ ایک تہذیب ہے، ایک ثقافت ہے، ایک فکر ہے اور ایک نظام ہے۔ اس نظام کی تفصیل کا موقع نہیں۔ پندرہویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک فکری انقلاب آیا۔ اس انقلاب کو نشاۃ ثانیہ Renaissance کہتے ہیں۔ اس فکری انقلاب کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے مغرب میں کئی انقلابات واقع ہوئے۔

دنیا میں یہودی گزشتہ دو ہزار سالوں سے کس پرسی کی زندگی گزار رہے تھے جو سراسر ان کی شامت اعمال کے سوا کچھ نہیں تھی۔ یہودیوں کی زندگی عیسائی دنیا میں ناگفتہ بہ تھی ــــ عالم اسلام نے تو بہرحال ان کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا۔ انھیں مواقع دیئے اور ان کے دیئے آزار کبھی بھی نہیں رہے۔ مگر عیسائیوں نے انتقاماً ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔

قرون وسطیٰ کے آخری دور میں عیسائی دنیا میں آباد یہودیوں نے ایک گہری سازش کا جال پھیلایا، جس کے تحت انھوں نے گزشتہ سات سو سالوں میں بالآخر عیسائیت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ آج کی وہ دنیا جسے لوگ عالم عیسائیت کہتے ہیں دراصل یہودیوں کی روندی ہوئی دنیا ہے۔

جب یہودی عیسائیوں سے فارغ ہو گئے تو انھوں نے مسلمانوں کا رخ کیا۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں ان کی سازش سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

مسلمانوں کے تعلق سے یہودی سازش بظاہر کامیاب نظر آتی ہے، لیکن بعد مآل کی تبدیلی۔ بہرحال ویسی نہیں جس کی توقع یہودیوں نے کی تھی۔ یہودی اس معاملے میں دھوکا کھا گئے۔ انھوں نے ملت اسلامیہ کو عیسائیت پر قیاس کیا۔ انھوں نے عظیم عیسائی سلطنت Holy Roman Empire کا خاتمہ کیا۔

یہودیوں نے گزشتہ پانچ سو سالوں میں یورپ میں ہیومنزم Humanism سیکولرازم Secularism قومیت Nationalism اور جمہوریت Democracy کے نام پر خون کی ندیاں بہادیں اور عیسائیت کے ایک ایک عضو کو پارہ پارہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ عالم اسلام پر یہی حربہ کارگر ہوگا۔ لیکن ان کا اندازہ غلط نکلا۔

بلاشبہ انھوں نے عالم اسلامی کے ہر علاقے پر حملہ کیا۔ تاہم ان سے ہماری خصوصیات

اور قرآن وسنّت کے مزاج کے سمجھنے میں چوک ہوگئی ۔ انھوں نے ملتِ اسلامیہ کا اندازہ غلط لگایا ۔

یقیناً یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اس صورتحال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آتی ہے جسے ابن حبان نے نقل فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب اُمت میں (دین کی) کوئی چیز ٹوٹ جائے گی تو لوگ بقیہ چیزوں پر قناعت کرلیں گے یہاں تک کہ آخری چیز بھی ٹوٹ جائے گی۔ پھر جو چیز سب سے پہلے ٹوٹے گی وہ الحکم ہوگی اور سب کے آخر میں ٹوٹ جانے والی چیز الصلوٰۃ ہوگی۔" (بروایت حضرت ابوامامہؓ بحوالہ صحیح ابن حبان)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث رائے کی معرفت کے لئے رہنما ہے۔

عالم اسلام صیانت سے بلاشبہ منحرف ہے۔ اس کا واحد سبب ہے ملتِ اسلامیہ کا عامل قرآن وسنّت ہونا۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ جب اسلام دشمنوں نے اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو درہم برہم کرنا چاہا تو ملتِ اسلامیہ نے اس کی بھرپور مزاحمت کی اسلام کے سرچشمے کی قوت اور ملت کے رگ وپے میں اس کی گرمی مقابلہ آرا ہوئی۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ ہرچند کہ سودیوں نے عالم اسلام کے قلب پر شب خون مارا اور اس میں کامیاب بھی ہوگئے، خلافت عثمانیہ منہدم ہوگئی مگر عالم اسلام اور سوادِ اعظم نے اس انہدام کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ابھی خلافت کو منہدم ہوئے دس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ملت اسلامیہ نے سنبھالا لیا۔ ملت بحیثیت مجموعی دین کی حفاظت کیلئے تیار ہونے لگی۔ درمیان کے یہ دس سال یقیناً یاس کا وہ اور جاں سوز تھے جس کی عکاسی علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کی:

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتے ہیں گاز

اقبال تنہا پکارتا رہا:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

یہ دس سال ۱۹۲۲ سے لیکر ۱۹۳۲ کے تھے۔ خلافت کے خاتمے کو ابھی پورے دس سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ عالم اسلام کے ہر گوشے میں ایسی تحریکیں پیدا ہونے لگیں جو بازیافت کے لئے کوشاں تھیں۔

یہاں اس کی چنداں ضرورت نہیں کہ ان تحریکوں کی ادارہ بندی Institutionalized کی جائے۔ یہ سب ایک ہی قسم کی تحریکیں تھیں۔ یہ سب کم وبیش ایک ہی نصب العین رکھتی تھیں۔ یہ سبھی ایک ہی متاع گم گشتہ کی جویا تھیں۔

آپ نے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ کوششیں کیا تھیں، کس لئے تھیں، اور ان کا پس منظر کیا تھا۔

جب مغرب کی اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کے قلعے کو مسمار کر دینا چاہا تو روح اسلام نے اس کا جواب دیا، اور دس سالوں کے اندر اندر پورے عالم اسلام میں ایسی تحریکوں کا ظہور در اصل اسی روح اسلام کی کارفرمائی تھی جو بالآخر مسلمانوں میں نئی زندگی ڈالنے کا باعث ہوا۔

عالم اسلامی کے ایک ایک خطے اور ملک کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مگر میں آپ کو بتاؤں کہ کس طرح اسلام دشمنوں نے اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی، آپنے سُنا ہوگا ——— آپ حضرات میں سے بیشتر ندوے سے تشریف لائے ہیں، آپ کو بخوبی علم ہوگا کہ گزشتہ دو سو سالوں میں کس طرح عربی زبان وادب کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، کس طرح اسے اسلام کے سرچشمے قرآن واحادیث اور روح اسلام سے بیگانہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

اس صورتحال میں عالم عرب میں ایک عظیم اسلامی تحریک برپا ہوئی جسے اخوان المسلمین کہتے ہیں۔ یہ تحریک ۱۹۲۳ سے ۱۹۴۰ کے درمیان بارآور ہوئی۔ اور چالیس کی دہائی میں اس کی شاخیں دیکھتے دیکھتے سارے عالم عرب میں پھیل گئیں۔

برصغیر ہند و پاکستان و بنگلہ دیش میں اسلامی تحریک برپا ہوئی۔

انڈونیشیا اور ملائشیا میں بھی اسلامی تحریک برپا ہوئی۔ آپ نے ماشومی تحریک کا نام یقیناً سنا ہوگا۔ شیخ نورسی نے اسی عہد میں ترکی میں تحریک پیدا کی۔ شمالی افریقہ کے ممالک سوڈان سے مراکش تک ان تحریکات سے ناآشنا نہیں رہے۔ ان تمام تحریکات کے پس منظر اور ترجیحات کو دیکھا جائے تو یہ تمام کی تمام دراصل احیاء اسلام کی تحریکات ہی ثابت ہوں گی۔ سبھوں کی کوششوں کا محور ایک ہی تھا۔ اسلام کی متاعِ گم شدہ کی تلاش، اس دولت کی بازیافت جو ہاتھوں سے چھن گئی تھی۔

اس گفتگو کے دوران جب میں لفظ مغرب استعمال کروں تو اس کا مفہوم ہے معاصر اسلام دشمن قوتیں جس کے روح رواں یہود ی ہیں۔

مغرب اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ایک غلط فہمی کا شکار رہا۔ اس غلط فہمی کا شکار ہونا غیر فطری بھی نہیں تھا۔ مغرب میں پائے جانے والے اسلامی دنیا کے ماہرین اور بطور خاص مستشرقین نے انھیں ایسا ہی باور کروایا تھا۔ مستشرقین کی کوششوں سے آپ یقیناً واقف ہوں گے۔ گزشتہ ڈھائی سو سالوں میں انھوں نے اسلام، اسلامی نظام اور مسلم معاشرے کو ختم کرنے کی کیا کوشش نہیں کی۔ ان کا ایسا سمجھنا بظاہر خلاف واقعہ نہیں تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ انھوں نے سمجھا کہ خلافت کا خاتمہ نعوذ باللہ عالم اسلام کی تابوت میں آخری کیل کے مانند ہے۔ ان کو اس کا بھی بھرپور احساس تھا کہ انھوں نے پورے عالم اسلام کو عملاً محکوم بنا لیا ہے۔ ساری دنیا ان کی استعمار ہے۔ جو مسلم ملک آزاد بھی ہیں وہ دراصل ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر خلافت ختم ہوگئی تو ملت کی شیرازہ بندی ممکن نہیں رہ جائے گی اور عالم اسلام کبھی موثر طور پر زندہ متحرک نہیں ہو سکے گا۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اسلام کے بچے کھچے آثار کا خاتمہ جلد ہو جائے گا۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ انھوں نے مقبوضات کے بالقیہ کا بھی خاتمہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مغرب اسی کوشش میں لگ گیا۔ اس نے اسلام کے بچے کھچے آثار کو ختم کرنے کی تدابیر کیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مغرب کی آنکھیں اچانک اس روز کھلیں جب

ایران میں ۱۹۷۹ میں انقلاب آگیا۔ مغرب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ بلکہ وہ حواس باختہ ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

یہ صحیح ہے کہ ایران کا انقلاب اہل تشیع کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ اس کے سامنے تمام روایات فقہ جعفریہ سے لئے گئے تھے۔ مگر اس کا تاثر دنیا کو یہی ملا ——— اور یہ بات غلط بھی نہیں تھی۔ کہ یہ اسلام کی قوت کا ظہور ہے۔ مغرب کے سامنے بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا ہو گیا:

کیا اسلام اب بھی زندہ ہے؟ کیا اس کی قوت اب بھی باقی ہے؟ کیا اس کی قوت اتنی توانا ہے کہ انقلاب لا سکے؟ کیا اسے عالم اسلام کا پیغام تصور کیا جائے کہ اسلام اب بھی عالم کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے تیار ہے؟ کیا اسلام میں یہ قوت ہے کہ ملت اسلامیہ میں یہ داعیہ پیدا کر سکے کہ وہ نظام عالم کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو؟

دوسری جنگ عظیم (۴۵-۱۹۳۹) کے بعد یورپ نے عالم اسلام سے محاربہ کے بڑے اسلحے کھول رکھے تھے۔ انھیں احساس تھا کہ شاید اب ان کی ضرورت نہ ہو۔ مابقیہ کے صفایا کے لئے بڑے اسلحوں کی ضرورت نہیں۔ لیکن جب ایران میں انقلاب آیا تو ان کے پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ بہرحال مغرب نے بجلت تمام اضطراری منصوبہ بندی کی۔ اپنی اضطراری منصوبہ بندی Crash Programming کے علاوہ طویل المدت منصوبہ بندی کے لئے تعین عالم اسلام کو از سر نو سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہٰذا انھوں نے اسلام کو از سر نو سمجھنا چاہا۔ ۱۹۷۹ سے اب تک صرف امریکہ نے اسلام کی از سر نو معلومات حاصل کرنے کے لئے اتنی دولت صرف کی جس کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں۔ شاید یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہے جتنی تمام مغربی ملکوں نے ۱۹۷۹ سے قبل بیسویں صدی میں عالم اسلام کو سمجھنے کے لئے صرف کی تھی۔

اس انقلاب کے بعد وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اندر آخر وہ کون سی قوت ہے جس کی وجہ سے ان کی نظر میں مردہ معاشرہ پھر زندہ ہو گیا۔ دراصل مغرب باور کر چکا تھا کہ مسلم معاشرہ مر چکا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس اضطراری منصوبہ بندی کے تحت، جہاں کہیں بھی اسلامی انقلاب کا خطرہ تھا، اس کے سدباب کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ ترکی میں کنعان ایورن Kenan Evren کی سربراہی میں اسلامی انقلاب کی راہ روکنے

کے لئے ایک فوجی انقلاب لے آیا گیا۔

انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ ترکی کا اسلامی طبقہ جو نجم الدین اربکان اور چند دیگر شخصیات کی قیادت میں اسلامی انقلاب لیکر آرہا ہے اس کی راہ روکی جائے۔

اسی طرح سوڈان میں ایک دوسری راہ اختیار کی گئی۔ سوڈان میں انقلاب انھیں دنوں آیا تھا اس کا موقع نہیں کہ اس تبدیلی اور انقلاب اور اس کو ناکام کرنے کے حربوں کی تفصیل پیش کی جائے۔ مختصراً بس یہ سمجھ لیں کہ آج وہاں اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ پورے نظام کو خالصتاً قرآن وسنت کے مطابق استوار کیا جائے۔ اس کوشش کا پہلا مرحلہ Phase تقریباً مکمل ہو رہا ہے۔ اور وہاں کا نظام اسلامی رُخ پر آگے بڑھ رہا ہے۔ بلاشبہ آج ایسا کرنا آسان نہیں۔ بہت کچھ دقتیں اور پریشانیاں درپیش ہیں۔ اس میں زیادہ تر مغربی سازشوں اور ان کی بیخ کنی کو دخل ہے۔ مغربی دنیا کس طرح اسلامی ملکوں اور اسلامی معاشرے کی راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے ان کے اظہار کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ مثلاً عالمی فنڈ IMF اور عالمی بینک World Bank سوڈان کو ایسی شرطیں ماننے پر مجبور کر رہے ہیں جن کا لازمی نتیجہ غیر سودی بینک کاری کے تجربے کی ناکامی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۰ اگست ۱۹۹۳ کو عالمی مالی فنڈ IMF کی بات نہ ماننے اور اسلامی طریقہ کو غیر باد نہ کہنے کی پاداش میں عالمی مالی فنڈ IMF نے سوڈان کی رکنیت معطل کر دی ہے اور امریکہ نے ۱۸ اگست ۱۹۹۳ کو سوڈان کو ایک دہشت گرد ملک قرار دے دیا ہے۔ مزید ازیں یہ کہ ضیوا میں بین الاقوامی زرمبادلہ ایجنسی نے تبادلے کی ایسی تاریخیں مقرر کی ہیں جس سے تبادلہ میں دقتیں پیش آنے کے سبب سوڈان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

جس وقت ایران میں انقلاب آیا ٹھیک انھیں دنوں ایک اور واقعہ عالم اسلام میں رونما ہوا۔ ۱۹۷۹ میں دنیا کی دوسری سب سے بڑی قوت سوویت یونین مسلم افغانستان پر ایک فوج قاہرہ سے حملہ آور ہوا اور اس پر قابض ہو گیا۔

افغانستان کا جہاد بیسویں صدی کا عدیم المثال واقعہ ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی یاد سے اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، ان کے قلوب حرارت ایمانی سے

آتش فشاں ہو جاتے ہیں اور وہ اس کا بچشم سر مشاہدہ کرنے لگتے ہیں کہ اس مادی زمانے میں بے سروسامانی کے باوجود محض ایمان کے ہتھیار سے لڑائی کیسے لڑی اور جیتی جا سکتی ہے۔ جہاد افغانستان اس کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ جو لوگ سپر طاقتوں کی مادی ترقی، ذرائع اور وسائل کا علم رکھتے ہیں وہ جہاد افغانستان کو ایک معجزہ سے کم نہیں سمجھتے۔ یہاں میدان جہاد سے دور اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے کہ کس طرح افغان مجاہدین نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود روس جیسی سپر طاقت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اور بالآخر اسے شکست سے دوچار ہو کر واپس جانا پڑا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ سوویت یونین کا شیرازہ بکھر گیا۔ عالمی تناظر میں یہ کہنا یقیناً بجا ہوگا کہ ایک سپر طاقت عالم اسلامی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ ہے جس طرح خلافت راشدہ میں کسریٰ کا بکھر جانا۔ روس بھی اسی طرح ٹوٹ گیا جس طرح سلطنت کسریٰ ٹوٹ گئی۔ اس تشبیہ کی صداقت کی گواہی وہ افراد دے سکتے ہیں جنھوں نے جہاد افغانستان میں شرکت کی ہے یا اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔

لیکن میرے نزدیک جہاد افغانستان کی اہمیت کچھ اور بھی زیادہ ہے۔ گزشتہ دو صدیاں عالم اسلامی کے زوال وانحطاط کی صدیاں رہی ہیں۔ عالم اسلامی نے ان دو صدیوں میں بہت کچھ کھویا ہے۔ لیکن سب سے قیمتی شے جو ملت اسلامیہ کھو بیٹھی وہ تصور جہاد ہے۔ تصور جہاد کی گم کردگی نے لذت جہاد سے پوری ملت کو ناآشنا بنا دیا۔ شاید اس کا اندازہ آپ افغانستان سے دور رہ کر نہیں کر سکتے کہ افغانستان میں جہاد کیسے پروان چڑھا۔ افغانستان کے جہاد نے عالم اسلامی کو نہ صرف یہ کہ تصور جہاد کا استحضار کرایا بلکہ ان کے قلوب کو لذت جہاد سے آشنا کر دیا۔ افغانستان میں صرف افغانستان کی بازیافت کی جنگ نہیں لڑی گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان ساری دنیا کے مسلمانوں کی تربیت گاہ بن گیا۔ یہ تربیت گاہ اسکولوں کی تربیت گاہ سے زیادہ لذت جہاد اور فکر جہاد کی تربیت گاہ ثابت ہوا۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو، جہاں سے اہل ایمان پر جاندار جہاد میں شرکت کے لئے افغانستان نہ گئے ہوں ان کا آنا للہ، فی اللہ اور لوجہ اللہ تھا۔ دنیا کا کوئی براعظم، کوئی خطہ اور کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جہاں سے افراد اور وہ بھی ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں شامل

نہ ہوئے ہوں۔ حقیقت میں افغانستان میں جہاد کا آتش فشاں پھٹ گیا جس نے دیکھتے دیکھتے ساری دنیا کو جہاد بداماں کر دیا۔

مستشرقین کی کوششوں سے آپ واقف ہیں۔ مغربی اقوام نے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کے لئے جتنا مطالعہ اسلام اور مسلمانوں کا کیا ہے ہم نے ان کا انیس کیا ہے۔ انھوں نے جاننا چاہا کہ ہماری قوت کا راز کیا ہے۔ ہماری حیات کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انھوں نے اس کی کوشش کی کہ ہمارے سرچشمے بند ہو جائیں۔ وہ طویل مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ تین ایسی چیزیں ہیں جن میں ہماری قوت کا راز پنہاں ہے۔ تقریب فہم کے لئے ہم انھیں چار کہہ سکتے ہیں۔ غور و فکر کے نتیجے میں انھوں نے رائے قائم کی کہ اگر مذکورہ چار چیزوں سے اُمت مسلمہ کو بیگانہ کر دیا جائے تو اسلام کا سرچشمہ بند ہو جائے گا۔ انھوں نے ان چار امور کو جو مسلمانوں اور مسلم معاشرے کی اساس تھے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کی تنقیص کی۔ انھیں مختلف فیہ بنانے کی جدوجہد کی۔ انھوں نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ وہ باتیں مسلمانوں کے مابین بحث کا موضوع بن جائیں۔

ان چار عناصر میں پہلا قرآن ہے جو کتاب اللہ ہے اور سرچشمۂ ہدایت ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر قرآن کو مقام تہمت سے ہٹا کر قابل بحث بنا دیا جائے تو اسلام کی جڑ اکھڑ جائے گی۔ چنانچہ مستشرقین کی کھیپ کی کھیپ اس کام میں منہمک ہونے لگی۔ سینکڑوں ہزاروں لوگ اس بات کی کوشش کرنے لگے کہ قرآن کے سلسلے میں جس طرح بھی ہو ایسی باتیں سامنے لائی جائیں تاکہ قرآن حجت اور فرقان رہنے کے بجائے قابل بحث بن جائے۔ وعلیٰ ہٰذا۔

دوسرا عنصر ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصل دین ہیں۔ چنانچہ مغرب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو قابل بحث بنانے کی کوشش کی۔ گذشتہ تین سو سالوں میں ان کی پوری کوشش رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو طرح طرح سے متہم کیا جائے۔ ان پر کیچڑ اچھالی جائے۔ اُن پر ایسے ایسے الزامات لگائے جائیں اور ان سے ایسی ایسی باتیں منسوب کی جائیں تاکہ آپ کی ذات

درمیان مجروح ہو جائے اور ان کی وہ حیثیت باقی نہ رہے۔

تیسرا عنصر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے جو اُمت کے لئے اسوہ ہے۔ مستشرقین نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُمت مسلمہ میں مضحک اور مقیر ہو جائے۔ انھوں نے سنت کو ہر طرح کی تنقید و تنقیص کا نشانہ بنایا۔ اسے تقلید جامد، خلاف عقل اور دقیانوسی قرار دیا۔ انھوں نے سنت پر سختی سے عمل کرنے والوں کا مذاق اڑایا۔ ان پر طعنے کسے کہ وہ عہد وسطیٰ کی جہالت کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

چوتھا عنصر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ مغرب پر اس کے تصور سے ہی لرزہ طاری ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے بدنام کرنے اور اسے ایک وحشیانہ فعل قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہر طرح کے حربے آزمائے۔ انھوں نے خود مسلمانوں کے مابین ایسے افراد کو شہرت دی جو جہاد کو باطل قرار دینا چاہتے تھے۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ افغانستان کے جہاد کے شروع ہوتے ہی دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ مغرب اسلام اور مسلمانوں کے خوف سے کانپ اٹھا۔ انھوں نے اسلام کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ نے اسلامی بنیاد پرستی Islamic Fundamentalism اسلامی دہشت گردی Islamic Terrorism اسلامی جنون پسندی Islamic Fanaticism اور اسلامی انتہا پسندی Islamic Extremism جیسے الفاظ سنے ہوں گے۔ آخر یہ کیسی اصطلاحیں ہیں؟ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ لوگ اپنے دشمنوں کو برے ناموں سے پکارتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ خود عہد رسالت میں مشرکین عرب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کے لئے ان کو اور ان کی دعوت کی شکل مسخ کرنے کی کیسی کوششیں کیں۔ انھوں نے برے نام دیے۔ آپ کو شاعر، مجنون اور صابی کہا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ آپ کے دشمن چاہتے تھے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن اور بے زار ہو جائیں۔

چنانچہ آج مغرب نے وہی حربہ اختیار کیا ہوا ہے۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے اسلامی بنیاد پرستی، اسلامی دہشت گردی، اسلامی جنون اور اسلامی خدا پسندی

یہاں ایک بات جو نہایت اہم ہے مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں ایک طرف عرب اسلام اور مسلمانوں پر فارج سے براہ راست حملہ آور ہے وہیں ان کی ریشہ دوانیاں بھی جاری ہیں۔ ان کی ریشہ دوانیاں ہمارے معاشرے کے اندر بنائے جانے والے ایجنٹوں کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ ان ریشہ دوانیوں کے سبب پوری اُمت میں ایک ہیجان برپا ہے۔

مغرب نے گزشتہ دو سو سالوں میں اس بات کی پوری کوشش کی کہ ہمیں اندر سے تبدیل کر دیا جائے۔ یعنی جو دین اور اصول دین سے رہنمائی حاصل کرتے تھے وہ کہیں اور سے رہنمائی حاصل کریں۔ مغربی اصطلاحوں میں جو ریگولر ہیں وہ سیکولر ہو جائیں۔ انھوں نے ہمارے سیکولرائزیشن Secularization کی کوشش کی۔ سیکولرازم اور سیکولرائزیشن کی تحریک، جو ساری دنیا میں چل رہی ہے، خالصتاً ایک یہودی سازش ہے جو انھوں نے اپنے دشمنوں کو تباہ کرنے کے لئے برپا کی ہے۔

ہمارے ہاں یہ بات پھیلائی گئی کہ ہمارا تصور روایت و درایت محتاج اصلاح ہے۔ اس میں نظر ثانی اور تبدیلی ہونی چاہیئے۔ اس بات کی کوشش کی گئی کہ زندگی کے متناقض حصے شیشے ایسے ہو جائیں جہاں مجرد عقل ہماری رہنما قرار پائے۔ اس مختصر سی گفتگو میں سیکولرائزیشن پر تفصیلی بحث ممکن نہیں۔

مغرب میں نشاۃ الثانیہ کے بعد جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، یہودیوں نے متعدد سازشیں کیں۔ یہ سازشیں عموماً فکری اور عملی تحریکات کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ یہ تحریکیں، جنھوں نے ساری عیسائی دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا، حسب ذیل تھیں۔ ہیومنزم Humanism کی تحریک، قومیت Nationalism کی تحریک، جمہوریت Democracy کی تحریک اور سیکولرائزیشن Secularization کی تحریک۔

ہر چند کہ ہزاروں تحریکیں اور کوششیں ہوئیں لیکن حسب بالا کوششیں اس اعتبار سے اہم ہیں کہ انھوں نے تقریباً سارے عالم کو باآخر متاثر کیا۔

مغرب نے جب محسوس کیا کہ براہ راست اسلام پر حملہ کر کے مسلمانوں کے قلوب سے اس کا استیصال ممکن نہیں، اور بطور خاص جنگ عظیم اول

(۱۸ - ۱۹۱۳) کے بعد براہ راست استعماریت کی بقا اور اس کے فروغ کے امکانات مفقود ہوتے نظر آئے تو انھوں نے اس بات کی کوشش کی وہی مقاصد بالواسطہ پورے کئے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے ہمارے معاشرے کے ایسے افراد کو آگے بڑھایا، ان کی آؤ بھگت کی، انھیں مراعات اور اعانت دی اور انھیں شہرت کے سامان فراہم کئے جو فکری طور پر اسلام سے برگشتہ اور ان کے مطیع تھے۔ ایسے افراد ہمارے سربراہ بنائے گئے۔ اس بات کی بطور خاص کوشش کی گئی کہ عالم اسلام میں حکومت ایسے ہی افراد کے ہاتھوں میں رہے۔ پھر ان مسلط کردہ حکمرانوں کا وظیفہ قرار پایا کہ وہ جیسے بھی ہو ملت اسلامیہ کے ذہن و فکر کو تبدیل کریں۔ انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ مسلم معاشرہ سیکولرائز ہو جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلم معاشرہ خود کو قرآن و سنت سے الگ کرے۔ ان مسلط کردہ حکمرانوں نے اپنے مقصد براری کے لئے لاکھوں مسلمانوں کو اذیتیں دیں اور تقریباً ہر کروڑ افراد کی جانیں لیں۔ اسلام اور مسلم معاشرہ پر بھی مزاحمت کرتا رہا۔

گزشتہ ایک سال سے مغرب میں اور بطور خاص امریکہ میں ایک نئی بات زیر بحث ہے۔ یہ بحث، دراصل اس بات کی غماز ہے کہ مغرب اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے نہایت درجہ پریشان ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کے دلوں سے اسلام کی جڑ کنی کے لئے کیا طریقہ اختیار کرے۔ ہر چند کہ انھوں نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی لیکن وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی کوششیں بار آور ہوتی نظر نہیں آرہی ہیں۔ عالم اسلام ان کی گرفت سے نکلا چلا جا رہا ہے۔ عالم مغرب میں اسلامی امور کے ایک بڑے ماہر برنارڈ لیوس Bernard Lewis جو ایک یہودی ہے نے اپنے تازہ ترین مقالہ اسلام اور لبرل ڈیماکریسی Islamic and Liberal Democracy The Atlantica Monthly Feb. 1993 میں ایک نئی تجویز پیش کی ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اسلام اور مسلم ممالک مغربی جمہوریت کی طرف نہیں جا سکتے۔ اسلامی مزاج اس کا ابا کرتا ہے۔ دوسری طرف اسلامی بنیاد پرستی کو روکنا محال ہے۔ بایں ہمہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم لبرل جمہوریت کو ان ملکوں میں ترقی دیں۔ ہاں اس لبرل جمہوریت کے لئے ہر آمرانہ طریقہ جائز ہی نہیں مستحسن ہے۔ لہٰذا انھوں نے اس کے لئے کچھ طریقے تجویز کئے ہیں۔

غالباً ان کا خیال ہے کہ عالم اسلام اس وقت جوش میں ہے۔ اس کی قوت ختم نہیں ہوئی

جیسا کہ مغرب نے باور کرایا تھا۔ اس وقت اگر اسے روکا گیا تو وہ ہر ممکن قوت کو بروئے لائے گا۔ اور اگر نہیں روکا گیا تو وہ اقتدار میں آنے کے فوراً بعد خود اس صورتحال کو ہی تبدیل کر دے گا جس سے مغرب کے مطابق تبدیل ہوا کرتی ہے۔ تب کچھ کرنے کا وقت نہیں رہے گا۔ لہٰذا بہرصورت اس بات کی کوشش کی جائے کہ وہاں لبرل ڈیماکریسی کو تقویت ملے۔ اس کے لئے اسلامی معاشرے میں ایسے افراد کو سرگرم کیا جائے جو معاشرے کو اس جانب لے جائیں۔ چنانچہ آج الجزائر اور افغانستان اور کسی درجے میں پاکستان میں (صدر اور وزیراعظم کے باہمی تنازعات اسی کا شاخسانہ ہیں) جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ اسی مقصد کا پتہ دیتی ہیں۔ آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ایسے عوامل کو سرگرم کر دیا گیا ہے اور ایسے مباحث کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اس سلسلے میں ان کا قابل ذکر مشورہ Corporate Laws کے سلسلے میں بھی ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

انیسویں صدی عیسوی سے ہی مسلم معاشرے میں ایسے افراد پیدا ہو چکے تھے جو مغربی افکار و نظریات سے اس قدر مرعوب و متاثر تھے کہ وہ دل سے اس کے خواہشمند اور دماغاً کوشاں رہتے تھے کہ مسلمان مغربیوں کے طرز پر ڈھل جائیں۔ لیکن آج یہ طبقہ کسی قدر بااعتبار ہو چکا ہے لہٰذا مغربی طاقتوں نے ایک اور ریشہ دوانی کی ہے اور ایک نئے طبقے کو آگے بڑھانے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ طبقہ بعض حیثیتوں سے ماقبل کے طبقے سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اس کا چہرہ زیادہ فریب دینے والا ہے۔ جب اہل مغرب نے دیکھا کہ مسلمان اسلام کی طرف لپک رہے ہیں اور ان تحریکوں کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے جو تحریکات اسلامی کہلاتی ہیں تو انھوں نے درپردہ بعض تحریکات اسلامی کا رخ موڑنا چاہا۔ بعض کے اندر اپنے افراد داخل کئے اور بعض صورتوں میں جدا جدا مختلف ایسی کوششیں شروع کیں جو اسلام کے نام پر تھیں مگر درپردہ مغربی افکار و نظریات کو اسلامی لباس زیب تن کرانے کی اور مسلم معاشرے میں انھیں مقبول عام بنانے کی ایک کوشش تھی۔

چنانچہ اس وقت دنیا میں اسلامائزیشن Islamization یعنی اسلامی بنانے کی دو طرح کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس عنوان کے تحت ایک کوشش تو ان متدین و مخلص مسلمانوں

اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ دنیا میں نظام اسلامی Islamic Order کی قرآن و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تشکیل و تنفیذ جدید کی جائے۔

دوسری کوشش جو اسی اسلامائزیشن کے پردہ میں ہو رہی ہے پہلی کوشش سے کلیتاً مختلف اور متضاد ہے۔ اس کے تحت اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ معاصر وجود مغربی نظام، مغربی افکار و نظریات کے تحت آفریدہ و پروردہ بنیات و ادارہ جات کو اور ان کے لوازم و دخائل کو اسلامی لباس زیب تن کرایا جائے۔

یہ ایک ایسی سازش ہے جس کا علم عامۃ المسلمین اور بطور خاص علماء کرام کو ضرور ہونا چاہیئے۔ مغرب نے اس سازش کے تحت بہت سی کوششیں کی ہیں۔ فکری و عملی ہر دو سطح پر اسلامی دلائل کے ساتھ ان تمام چیزوں کو درآمد کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مغرب میں موجود ہیں اسی سلسلے میں اس مشورہ کا بھی ذکر کیا جانا چاہیئے جو برنارڈ لیوس نے دیا ہے اور جس کا ذکر میں نے مذکورہ بالا سطور میں کیا ہے۔

برنارڈ لیوس کا خیال ہے کہ اسلامی اصول و قوانین Corporate Laws کی گنجائش نہیں نکلتے۔ اسلامی اصول کا مزاج اسے قبول ہی نہیں کرتا۔ وہ اس سے بالکل متضاد و متخالف ہے۔ لیکن اگر اسلام کو مغربی افکار کے تحت کرنا ہے تو ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ مسلم معاشروں میں اور اسلامی فقہ و قوانین میں Corporate Laws کو تسلیم کر لیا جائے۔ لہٰذا ایسے مباحث چھیڑے جائیں جن کا مرکزی نقطہ Corporate Law کو اسلامی ثابت کرنا ہو اور مسلم معاشروں میں ایسے ادارے قائم کئے جائیں جن کی بنیاد Corporate Laws پر ہو۔

مغرب نے بنفس نفیس اور اپنے ان افراد کے ذریعہ، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے عملاً کیا ہے۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ اور یورپ میں اسلامی طرز سودی بینک کاری کے نام پر اکثر و بیشتر کوششوں کی حقیقت یہی ہے۔ برطانیہ کا ایک مشہور بینک گرینڈلیز بینک Grindlays Bank ہے، اس نے دنیا میں، جو بین الاقوامی مالی لین دین کا ایک بڑا مرکز ہے اور جہاں تمام مسلم ملکوں اور بطور خاص مشرق وسطیٰ کے امیر ملکوں کے مالی لین دین ہوتے ہیں ایک غیر سودی بینکاری

کیا ہے؟ ہاں بلاسودی کاروبار کئے جاتے ہیں اور یہ کہ اہل ثروت مسلمان جو بلاسودی کاروبار کرنا چاہتے ہیں ان سے ربط قائم کریں۔ ایسے بے شمار ادارے خود مسلمان قائم کر رہے ہیں۔

چنانچہ مغرب کی اسی سازش کا شاخسانہ ہے کہ اب اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں طبقوں کی تعداد دو ہو گئی ہے۔ ایک تو وہ طبقہ جو اسلام کے لئے مخلص ہے اور ہر قیمت پر صرف اسلام چاہتا ہے۔ اور دوسرا وہ طبقہ جو اسلام کے نام پر مغربی بینیات و ادارہ جات کے درآمد کے لئے کوشاں ہے۔

ان میں عامۃ المسلمین کے لئے فرق کرنا بظاہر مشکل ہے۔ تاہم چند باتیں رفتہ رفتہ نمایاں ہوتی جا رہی ہیں۔ مخلصین کی بڑی تعداد ان افراد پر مشتمل ہے جو اسلام کے سرچشموں سے براہ راست آگاہ اور وابستہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلام اور مغرب کی اصولیات میں کیا فرق ہے اور دونوں کے درمیان حد فاصل کہاں ہے۔ لیکن دوسرا طبقہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اسلام کے سرچشموں سے براہ راست آگاہ نہیں اور ظاہر ہے جب آگاہ ہی نہیں تو اسے کیا معلوم کہ دونوں کی اصولیات میں کیا فرق ہے اور دونوں کے درمیان حد فاصل کہاں ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہ لیا جائے کہ اسلامی نظام قائم کرنے کی کوششیں مستحسن نہیں اور نہ یہ کہ انہیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جائے۔ اس میں تو کسی کو ذرہ برابر تردد نہیں ہونا چاہیئے کہ اسلام بالتاخیر عالم اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ہمارا فرض منصبی یہی اسی کا پابند کرتا ہے اور ہمارے اسلاف کی تاریخ ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔

یہ تبدیلی کی گھڑی ہے۔ اس کی مشابہت جنگ مشلوب سے دی جا سکتی ہے۔ عبوری دور بہت سی خواہشیں رکھتا ہے۔ جو لوگ قرآن و سنت سے براہ راست علاقہ رکھتے ہیں ان کی بلکہ پوری اُمت مسلمہ کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اس موقع پر میدان عمل میں آئیں۔ تبدیلی اللہ کی مرضی سے ہوتی ہے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

ذاتی اُمت مسلمہ کا سواد اعظم اسلام کے لئے مخلص ہے۔ علماء اُمت کی آنکھ اور اس کا Core ہیں۔ بلاشبہ معاصر نظام نے انہیں الگ کر کے رکھ دیا ہے، انہیں مختلف ناموں سے پکارا گیا۔ انہیں دقیانوسی اور از کار رفتہ قرار دیا گیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُمت کے سواد اعظم سے باطل کو کد ہے۔ اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ سواد اعظم باوجود اپنی کوتاہیوں کے، اسلام کے کسی جز کے سلسلے میں بھی باطل سے مفاہمت اور اسلام کے تعلق سے مداہنت کے لئے تیار نہیں۔ باطل سواد اعظم کو براہ راست کنٹرول کرنے میں ہمیشہ دشواری محسوس کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ کے بعد زیادہ تر وہ اس بات کے لئے کوشاں رہا ہے کہ عالم اسلام میں مسلمانوں میں سے ایسے حکمراں ایسے سیسہ آئیں جو اعلیٰ ترین سطح پر مغرب کے آئیندہ دار سطح عوامی سطح پر سواد اعظم میں مقبول ہوں تاکہ اسے محدود Contain کرنے میں زیادہ موثر ہوں۔ چنانچہ ۱۹۷۳ میں جو دستور پاکستان میں بنایا گیا وہ در اصل ۱۹۴۹ میں منظور شدہ قرارداد مقاصد کی تکمیل کی طرف ایک قدم تھا۔ قرارداد مقاصد میں اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ ملک کا دستور اسلامی ہوگا۔ اور انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کلیتاً قرآن و سنت کے پابند ہوں گے۔ ۱۹۹۰ میں اسلامی جمہوری اتحاد نے اپنے انتخابی منشور میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ جب نواز شریف اسلامی جمہوری اتحاد کی دیگر پارٹیوں کی مدد سے برسر اقتدار آگئے تو انھوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کو فاذا زاویا لہ وہ لفظاً ہر بھی کہتے رہے لیکن باطن مغرب کے اشاروں پر پاکستان میں اسلامی دستور بازی میں لیت و لعل سے کام لیتے رہے۔

عالم اسلام کی اشکوں کو سرد کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کے لئے مغرب نے مختلف طرح کے حربے اپنا رکھے ہیں۔ مغربی ایشیا، مصر، الجزائر، تیونس، مراکش، انڈونیشیا کے حکمرانوں کی تدبیریں اس کی شاہد ہیں۔ تاہم اسلام کو محدود Contain کرنے کی ایک اہم کوشش وہ ہے جو وسطی ایشیا کے نو آزاد مسلم ملکوں ــــ ازبکستان، ترکمانستان، قازقستان، تاجکستان، کرغیزیہ اور آذربائیجان ــــ میں یہودیوں اور سابق کمیونسٹوں کی مدد سے کی جا رہی ہے۔

عالم اسلام میں اسلامی قوتوں کو دبانے کی کوششیں کم از کم تین قسموں کی ہیں ــــ Neutralisation یعنی انھیں بے اثر بنانا، Containment یعنی ان کی قوت و اثر کو محدود اور کمزور کرنا اور Marginalisation یعنی انھیں دھکیل کر کنارے کر دینا۔ اس سلسلے میں

ایک اور قسم کی کوشش بھی جاتی ہے جو نوعیت میں مذکورہ تینوں عمل سے مختلف ہے اسے Aggressive Neutralisation یعنی جارحانہ طور پر بے اثر بنانا ۔ کہتے ہیں ۔ اس سلسلے میں Containment اور Neutralisation کا تذکرہ کسی قدر ہو چکا ہے۔ Aggressive Neutralisation کا تذکرہ ان شاء اللہ Marginalisation کے بعد ہوگا۔

Marginalisation کا مطلب ہے کسی کا گلی مقاطعہ کر کے اس کا ناطقہ بند کر دینا ۔ جب کوئی قوم یا ملک باوجود دباؤ اور دھمکیوں کے نفاذ اسلامی سے باز آئے اور باضابطہ اور علناً اس سمت پیش قدمی کرنا شروع کر دے تو مغرب اس کا مقاطعہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ مقاطعہ بالواسطہ، بلاواسطہ علانیہ اور خفیہ ہر قسم کا ہو سکتا ہے۔ وہ تمام انسانی اور بین الاقوامی حقوق جن کا وہ حقدار ہوتا ہے اور وہ تمام مراعات جن کا وہ مستحق ہوتا ہے اس کے لئے ممنوع قرار دے دیئے جاتے ہیں۔ کبھی یہ مقاطعہ مغربی ممالک فرداً فرداً کرتے ہیں، کبھی بعض بڑے ممالک یا خود سب کا سربراہ امریکہ کر دیتا ہے اور کبھی یہی کام سلامتی کونسل سے کروایا جاتا ہے۔ کوشش در اصل اس بات کی ہوتی ہے کہ اس قوم کی زندگی دوبھر کر دی جائے اسے علناً اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے۔

آپ کو اس کا علم ہوگا کہ افغانستان کے وہ مجاہدین جو حقیقی اسلامی روح سے سرشار ہیں اور جن میں آئندہ کے افغانستان کو صحیح اسلامی خطوط پر لے جانے کی صلاحیت موجود ہے، مغرب کی اسی ضرب کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ جب تک سبحان اللہ کی حکومت رہی مغرب اسے بچانے کے درپے رہا۔ جب وہ باقی نہ رہی تو مغربی اقوام اس بات کے کوشاں رہے کہ مجاہدین میں وہ لوگ اقتدار میں آجائیں جو اسلام کے تعلق سے بس دابھی جذبہ رکھتے ہیں۔ اور بیدار مغز نہیں۔ گزشتہ دو سالوں سے جو کچھ افغانستان میں ہو رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغرب اس کی جی توڑ کوشش کر رہا ہے کہ خواہ کوئی برسر اقتدار آجائے مگر گل بدین حکمت یار کے حزب اسلامی کو زبردست کارنر کرے۔ چنانچہ باوجود امداد کے مقہور ہونے کے افغانستان کا مقاطعہ کیا جا رہا ہے۔

یہی کچھ سلوک سوڈان کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔ اسلامی انقلاب کے آنے سے قبل سوڈان کو مختلف قسم کی مدد دی جاتی تھی ۔ ملک میں کئی رفاہی ادارے جو بین الاقوامی رفاہی اور امدادی اداروں کی شاخیں تھیں کام کرتے تھے۔ بعض مغربی ادارے اپنے طور پر بھی مدد دیا

کرتے تھے۔ لیکن انقلاب کے آتے ہی تمام ملکوں اور اداروں نے ہاتھ کھینچ لئے۔ ساری امداد بند کر دی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض عالمی اداروں اور ملکوں نے سوڈان پر پابندیاں لگانی شروع کر دیئے۔ عالمی بینک World Bank نے شرح سود میں اضافہ کر دیا اور Moratorium کا فاتحہ کر دیا۔ عالمی مالی فنڈ IMF نے سوڈان کی رکنیت معطل کر دی۔ حد تو یہ ہے کہ مغربی ملکوں نے بعض امیر مسلم ملکوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ سوڈان کی مدد سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ نہایت نازک دنوں میں ایک نہایت امیر مسلم ملک نے سوڈان اور افغان مجاہدین کی امداد بند کر دی۔ ایران کے انقلاب کے معاصر ایران کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا تھا۔

Aggressive Neutralisation یعنی جارحانہ طور پر بے اثر بنانا یعنی غیر معمولی طریقے سے باضابطہ علناً اور ہو کر اسلامی نظام یا اسلامی ملکوں کی اس قوت کو ختم کر دینا جو مستقبل قریب یا بعید میں بالواسطہ یا بلاواسطہ نفاذ اسلام کی راہ میں اور باطل سے مقابلہ آرائی میں سرگرم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

ایران کے انقلاب کے بعد طبس Tabas کی کوشش اسی سلسلے کی کڑی تھی ۔ لیکن اس طریقہ کار سب سے بڑا مظاہرہ خلیجی جنگ میں ہوا۔ اب پاکستان اس کی زد پر ہے۔

مذکورہ طریقوں کے علاوہ بھی کئی دیگر طریقے ہیں۔ ان میں صرف ایک یا دو طریقوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح کی ایک کوشش اسلامی کوششوں کو فساد آلودہ Pervert کرنے کی ہے۔ اس کے تحت کوشش کی جاتی ہے کہ اسلامی ذہن و فکر رکھنے والے افراد اور معاشرے میں مفسدہ ڈال کر اسے پراگندگی کا شکار بنا دیا جائے۔ اس کی پہلی کوشش ایران کے انقلاب کے مابعد داخلی سطح پر ہوئی۔ ایسی ہی ایک کوشش ۱۹۲۱ء میں لائے گئے تاجکستان کے انقلاب کے خلاف کی گئی۔ تاجکستان میں جب اتحاد نے اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے کیمونسٹ حکمرانوں کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا، مگر پچھلے سارا دیو دیوا اور سابق کیمونسٹوں نے مزاحمت کی، یہ کوشش کی بلکہ کے جی بی KGB کی رو سے اسلامی قوتوں کا تختہ پلٹ دیا۔ پورے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ گزشتہ ایک سال میں ہزارہا افراد شہید ہو چکے۔

اور کئی لاکھ کو افغانستان میں پناہ لینی پڑی۔

محترم حضرات! یہاں ایک مخصوص امر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

اس اُمت کی آزمائش مال ہے۔ اسی کی طرف سورۃ الکہف کی آیات ۱۰۳ اور ۱۰۴ اشارہ کرتی ہیں۔ اور جہاں تک فواتح الکہف کی بات ہے تو وہاں آیت ۷، اسی پر شاہد عدل ہے۔ جامع ترمذی کی حدیث سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سورہ کہف سے فتنۂ دجال کے سمجھنے اور اس کا تدارک کرنے میں رسوخ حاصل ہوتا ہے۔

انسانی تاریخ کا یہ آخری حصہ ہے۔ اغلباً یہی دجال کے تھنے کا دور ہے۔ اس کے بعد قیامت ہی آنے والی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا والساعۃ کہاتین۔

لہٰذا تمام امور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ دجال کا فتنہ فتنۂ مال کے سوا کچھ نہیں۔ اور مال کے تھنے سے بچ جانے ہی میں اس امت کی کامیابی مضمر ہے۔

اس سلسلے میں دو خصوصی باتوں کا ذکر کرنا ناگزیر ہے۔ پہلی بات یہ کہ امت کے خواص کے لئے از حد ضروری ہے کہ وہ مغربی افکار و نظریات اور مغربی تہذیب و تمدن کو گہرائی سے سمجھیں۔ سرسری مطالعہ کر کے اس کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔ بلکہ اس کی تہہ تک رسائی حاصل کریں۔ وہ مغربی تاریخ جسے میں نے نشاۃ الثانیہ سے موسوم کیا ہے، جو چند صدیوں صدی عیسوی سے شروع ہوئی، مغرب کا موجودہ نظام اسی کی دین ہے۔ اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ اس فکر اور تہذیب کی بنیاد کیا ہے؟ تو میں اس کا جواب دوں گا۔ مال اور حصول مال۔ مغرب کی تہذیب بنیادی طور پر تصور مال پر قائم ہے۔

مغرب کی یہ تہذیب تجارت Trade سے شروع ہو کر تجارتی حلقے Guilds بینک Bank تجارتی استعماریت Commercial Colonialism استعماری طاقت Colonial Imperialism سے ہوتی ہوئی کی تجارتیت Total Commercialisation تک پہنچی ہے۔ آج کی مغربی تہذیب جس کی سربراہ بیشتر قوم یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اور بیشتر ملک امریکہ کے ہاتھوں میں کچھ اور استہلاکیت Consumerism ہے۔ اس کا مفہوم

کہ دنیا میں پائی جانے والی ہر شئے، ہر خدمت اور ہر چیز قابل بیع و شراء ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مغرب میں کسی بھی شئے کا جواز relevance اس بات پر مبنی ہے کہ وہ کس قدر پیداواری ہے۔ لہٰذا بوڑھے ماں باپ، اور وہ بچے جو بھی پیدا نہیں ہوئے جو پیداواری نہیں مغرب پر بوجھ ہیں۔ لہٰذا ان کا رجحان اب اس طرف ہے کہ ایسے لوگوں کو زندہ رہنے نہ دیا جائے۔ چنانچہ بوڑھوں اور بوڑھیوں کے لئے وہ اس کی راہ Euthanasia یعنی خود پسند کردہ موت کے ذریعہ نکالنا چاہتے ہیں اور وہ بچے جو بھی پیدا نہیں ہوئے ان کے لئے تو وہ اسقاط حمل Abortion کو قانونی قرار دے کر راستہ نکال ہی چکے ہیں۔ دنیا بدلتے رفتہ اسی استہلاکیت Consumerism کا حصہ بنتی جا رہی ہے۔ لوگوں کا عام احساس تھا کہ جنگ عظیم دوم کے بعد دنیا سے استعماریت ختم ہو گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ کل کی استعماری طوائف استہلاکی استعماریت میں بدل چکی ہے۔

کل کی استعماریت کی بنیاد بہت حد تک فوج اور حکمرانوں کی براہ راست موجودگی پر قائم تھی آج کی استعماریت کی بنیاد مال پر ہے ہر چند کہ طاقت آج بھی فیصلہ کن ہے۔

کسی ملک مثلاً ہندوستان میں کل انگریزوں کا غلبہ تھا۔ انگریزی وائسرائے ہوا کرتے تھے۔ آج ہندوستان میں انگریزی فوج اور وائسرائے موجود نہیں لیکن کم ہی لوگوں کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی زندگی اس کی معاشیات اور اس کی سیاست کے فیصلے دلی میں نہیں بلکہ لندن اور نیویارک میں ہوتے ہیں۔ آج ترقی پذیر ملکوں کی حکومتیں ذرا اپنی مرضی سے ٹیکس لگا سکتی ہیں ٹیکس کا ناغہ کر سکتی ہیں۔

عالمی مالی فنڈ IMF اور عالمی بینک World Bank کا دفتر واشنگٹن ڈی سی میں ہے۔ واقف کار بتاتے ہیں کہ ان لوگوں کو ہر سال دو سو کے فیصلے وہیں لکھے جاتے ہیں۔

اسی طرح اس کا نام تہذیب کی فوج کا ہر بین الاقوامی اداروں Multinational Corporation or MNCs ہے۔ کل کی ایسٹ انڈیا کمپنی M.N.C کی ابتدائی شکل تھی۔ اب دنیا میں ہزار ہا کے قریب M.N.C پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے ۵۰ M.N.C ہیں جن کے ہاتھوں میں دنیا کی دولت اور اسے اقوام کی قسمت ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان میں سے ۱۲ M.N.C یہودیوں کی ہیں۔ یہ ہے موجودہ دور کو اپنانے کا دور کہ اسے تو اس کے

پیچھے یہی بات ہے۔

اب دنیا ملاقاتی نہیں رہ گئی ہے۔ اسی طرح یہ مغربی تہذیب صرف مغرب میں نہیں پائی جاتی بلکہ عالمی ہے MNCS عالمی سطح پر کام کر رہی ہیں، لہٰذا اسلام اور مغرب کی کشمکش بھی عالمی ہے۔ کوئی ملاقاتی تبدیلی اس کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اب اسلام کی جدوجہد اور تحریک اسلامی کی سطح کا عالمی ہو جانا ناگزیر ہے۔ شاید اُمت مسلمہ خلافت راشدہ کے بعد پہلی بار اپنے آپ کو ایسی صورتحال سے دوچار پاتی ہے کہ اس میں یہ احساس قوت پکڑے کہ وہ ایک جسد واحد ہے۔

اس صورتحال میں ہر چند کہ مسلمان سارے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن عالم اسلامی کے دو عظیم خطے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ۔ یہ دونوں خطے مغربی استعمار کے سبب اور گزشتہ دو صدیوں میں مچائی گئی لوٹ کی وجہ سے سخت مالی اور معاشرتی بحران میں مبتلا ہیں۔ ان ملکوں کا سب سے بڑا بحران یہ ہے کہ یہاں اُمت مسلمہ اور مسلم معاشرہ دو الگ الگ طبقوں کی صورت میں بانٹ دیئے گئے ہیں۔ اس فساد کی جڑ مغربی نظام تعلیم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام اور مغرب کی کشمکش کا لازمی نتیجہ ان شاء اللہ باطل کی شکست کی صورت میں نکلے گا۔

Geo politics کے نقطۂ نظر سے اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو وہ تمام نعمتیں دے دی ہیں جن سے کوئی قوم سرخرو ہو سکتی ہے۔ شاید اُمت محمدیہ مستجابہ کو جو مقام اجتبائیت حاصل ہے اس کا مطلب یہی ہے۔ آخرت میں جو انعامات ان شاء اللہ ملیں گے وہ اس سے الگ ہیں۔

Geo politics کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کئی امور اہم نظر آتے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اور اس کے حرم کو اس جگہ میں آباد کیا جو معتدل علاقہ ہے، یہی علاقہ گرم پانی کا منطقہ Temperate Habitable World Warm Water Belt بھی ہے۔

② دنیا کی تمام آبی گزرگاہیں بھی اسی علاقے میں ہیں

③ یہی علاقہ انسانی وسائل سے مالا مال ہے۔

④ یہی خطہ تمام الہامی اور توحیدی کے خزانوں سے بھرا ہوا ہے۔

شاید یہ سب ہے کہ اس علاقے [illegible] جیسے شمار بیسل انقلابیں آئے اور یہاں کی تاریخ

معرکۂ خیر و شر سے کبھی خالی نہیں رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ مغربی اقوام کے غلبے کے باوجود اور تین سو سال تک ان کے تسلط اور ان کی ریشہ دوانیوں کے باوجود اُمت مسلمہ ختم نہیں ہو سکی۔

یہ بات اب واضح ہو چکی ہے کہ مغرب اسلام سے ایک ایسی جنگ لڑ رہا ہے جو حیات دعوت کی جنگ War of attrition ہے۔

ہم اللہ کی ذات اور اس کی رحمت سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اہل ایمان کو فتح و کامیابی سے سرفراز فرمائے گا۔ اسلام کی قوت اور وہ نعمتیں جو اہل ایمان کو ملی ہیں مغرب اس سے پوری طرح واقف ہے۔ لہٰذا اس کی کوشش ہے کہ وہ اس پورے خطے، یہاں کی گزرگاہوں، یہاں کی مادی اور انسانی وسائل پر پوری کنٹرول رکھے۔ جدید عالمی نظام New world Order کی بنیادی بات یہی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اسلام سے ٹکرانے کا نتیجہ سوویت یونین کے حق میں کیا نکلا۔ پوری سلطنت پاش پاش ہو گئی۔ روس جو سوویت یونین کا وارث قرار پایا اس وقت سخت بحران سے دوچار ہے۔ یورپ شیا میں مغرب کا وہ آخری قلعہ ہے۔ سارا مغرب اسے بچانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

گزشتہ چھ سالوں میں تعمیر نو Perestroika ادراک دگی Glasnost کے تحت جو کچھ ہوا وہ خواب کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔

جدید عہد کا یہ سب سے بڑا اور سب سے خفیہ آپریشن ہے۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ کمزور سے کمزور حکومت بھی کتنی مضبوط ہوتی ہے۔ حکومتیں تنکوں کی طرح نہیں گرتیں۔ نہ دیکھتے دیکھتے ہشم زدن میں پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ ۱۹۸۹ سے لیکر ۱۹۹۱ تک جس طرح مشرقی یورپ اور سوویت یونین میں تبدیلی آئی ہے وہ غیر معمولی ہے۔ آج چیکوسلواکیہ کی حکومت گری تو کل رومانیہ، بلغاریہ، پولینڈ، ہنگری، مشرقی جرمنی کی باری آئی۔ پتے کے گھروندے نہیں تھے کہ دیکھتے دیکھتے گر گئے۔ یہ سب ایک بڑی حکمت عملی کا نتیجہ تھے۔ مغربی سرمایہ داری اور اشتراکیت بظاہر دو متخالف نظام ہائے فکر ہیں۔ مگر واقف کار جانتے ہیں کہ یہ ایک سازش کے دو رُخ ہیں جن کو یہودیوں نے اپنے مقاصد کے لئے تیار کیا سرمایہ دارانہ

نظام جس کا سربراہ امریکہ ہے اور اشتراکی نظام جس کا سربراہ کل تک سوویت یونین تھا دونوں یہودیوں کی ایجاد ہیں۔ لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان دونوں کے مابین پچاس سالوں تک سرد جنگ چلتی رہی۔ لیکن سرد جنگ کی حقیقت کیا تھی؟ اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اس کے ذریعہ یہودیوں کا نصب العین حاصل ہو۔ امریکہ کو یہودی چلا رہے ہیں، اشتراکی روس کے سارے بڑے رہنما لینن سے لیکر شورو نادزے اور لیقوب یلو تک سارے کے سارے یہودی تھے یا اور ان دونوں کی باگ ڈور مالی یہودی تنظیم کے ہاتھوں میں ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کے درمیان سرد جنگ کا طریقۂ کار دراصل Thesis اور Anti-Thesis کے تعامل سے Synthesis کے حصول کا تھا۔

لیکن ایران کے اسلامی انقلاب، جہاد افغانستان، اور ساری دنیا میں تیز ہوجانے والی اسلامی جدوجہد نے انھیں گھبرا دیا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ نظم عالم جسے انھوں نے بطور خاص جنگ عظیم دوم کے بعد وضع کیا تھا ناکام ہوچکا ہے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ عالم اسلام ان کے لئے ناقابل شکست ہوجائے وہ ان سارے گھروندوں کو توڑ کر از سر نو اپنی مورچہ بندی کریں۔ تعمیر نو Perestroika کشادگی Glasnost اور جدید نظام عالم New World Order اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ وہ اس کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ جب تک وہ اپنے نظم کو از سر نو مرتب کرنے میں مشغول ہیں عالم اسلام کو مختلف امور میں الجھا کر رکھا جائے۔

صومالیہ، ایسپیا، عراق، لبنان، اور آذربائیجان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔

جہاں تک سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد مسلم ریاستوں کے آزاد ہونے کی بات ہے تو اس سلسلے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عالم اسلام کو اپنا فرض پوری ذمہ داری کے ساتھ اور بلا تاخیر ادا کرنا چاہیئے جہاں پر جاڑے قازان تک پھیلے ہوئے علاقے کے بھائیوں کے تعلق سے مایوس ہوتا ہے۔

اس علاقے کے تعلق سے کئی باتیں تشویشناک ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہاں یہودی سازش کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ دوسری یہ کہ لینن کا وہ سابقہ جو اس وقت قازانات سے کیا گیا تھا

حیرت ہے کہ اب بھی برقرار ہے۔ جب کہ کہنے کو ساری ریاستیں آزاد ہوگئی ہیں۔

تیسری چیز کہ نظیر یہ کی فوجی تنصیبات ہیں جو روس کے ماتحت ہیں۔ کہ نظیر یہ سوویت یونین کے زمانے میں اس کے کمانڈ ہیڈ کوارٹرس کے اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل رہا ہے۔

یوگوسلاویہ بلقان کا ایک علاقہ ہے جو کبھی ترکوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ۱۹۲۵ سے قبل وہاں مسلمانوں کے نسبتاً خود مختار ریاستوں کی حکومت تھی۔ ۱۹۲۵ میں ٹیٹو کی سربراہی میں ایک اشتراکی حکومت نے اقتدار سنبھالا۔ گزشتہ سو سالوں سے اسلام دشمن حکومتوں کے سبب اہل اسلام کی زندگی سخت ضیق میں تھی اور عام زندگی سے اسلام تقریباً ختم ہوچکا تھا ہاں ایک ورثہ کے بطور زندہ تھا۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد یوگوسلاویہ بھی بکھر گیا۔

گزشتہ دو سالوں سے یوگوسلاویہ میں عام طور پر اور بوسینا اور ہرزے گووینا میں خاص طور پر کچھ ہوتا رہا وہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔

یوگوسلاویہ کے سات حصے ——— سربیا، کروایشیا، سلووینا، میسے ڈونیا، انٹنیگرو، بوسینا، اور ہرزے گووینا پانچ ملکوں کی شکل میں نمودار ہوئے یعنی سربیا اور انٹنیگرو ایک ملک، سلووینیا دوسرا ملک، کروایشیا تیسرا ملک، میسے ڈونیا چوتھا ملک بوسینا اور ہرزے گووینا پانچواں ملک۔

یوں تو پورے یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی کچھ نہ کچھ آبادی ہے لیکن ان کی سب سے بڑی آبادی بوسینا اور ہرزے گووینا میں ہے۔ گزشتہ چند مہینوں سے سربیا اور کروایشیائی مدد سے بوسینا اور ہرزے گووینا کے سربیائی اور کروایشیائی نسل کے لوگوں نے بوسینا اور ہرزے گووینا کے مسلمانوں کو قتل عام اور اذیت دہی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اقوام متحدہ، مغربی ممالک، یورپی ممالک، امریکہ سبھی تماشائیوں کی طرح چپ ہیں۔ سربیائی اور کروایشیائی نسلوں کے لوگوں کا تمام فوجی ساز و سامان پر قبضہ ہے اور انھیں ہر طرح کے اسلحوں کے درآمد کی کھلی آزادی ہے اور بوسینا اور ہرزے گووینا کے مسلمانوں کو اسلحہ تو درکنار غذائی اجناس تک کی درآمد پر پابندی ہے۔ بحری راہ بحر اڈریاٹک کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ اکثر مسلم ممالک (چند کو چھوڑ کر) تو امریکی کاسہ لیسی کر رہے ہیں یا بے بس ہیں۔ اور وہاں مسلمانوں کے ساتھ ایسے

مظالم ہو رہے ہیں ان کا تصور ناممکن ہے۔ ادھر چند مہینوں سے جب ساری دنیا کے مجاہدین نے کسی طرح وہاں پہنچ کر جہاد کا آغاز کر دیا ہے تو یورپ کی پریشانیاں بڑھ گئیں ہیں۔ دوسری طرف اسلامی تنظیم نے اقوام متحدہ کی فوج بھیجنے کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا ہے لیکن ابتک کوئی خاطرخواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے۔ تاہم وہاں کی صورت حال اتنی نازک وہاں کے ساحات اور کوائف اتنے پیچیدہ ہیں کہ ہمیں نہایت دقت نظر سے سمجھنا ہوگا اور تدبیر اختیار کرنی ہوگی۔

یوگوسلاویہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ کلیتاً ایک گہری یہودی سازش ہے اور اس کے اطراف نہایت دور رس ہیں اور فیصلہ کن ہیں۔ ان کی سازش کے مقاصد سمجھنے سے قبل یوگوسلاویہ کی پیچیدگی کا جاننا ضروری ہے۔

یوگوسلاویہ یورپ کی تمام بڑی نسلوں اور بڑے مذاہب کا مجموعہ ہے لہٰذا یورپ کا وہ خطہ جہاں یورپ کی تمام عصبیتیں یکجا ہوں یوگوسلاویہ ہی ہے۔ سلووینیا جرمن نسل کی مادر وطن ہے۔ سربیا سلاؤ نسل کا مرکز ہے۔ کروایشیا نسلی شرقی و غربی یورپ کی قدیمی نسل ہے۔ جیسے ڈوبنا میں یونانیوں کی آبادی ہے۔ کوسووو میں البانوی نسل پائی جاتی ہے۔

سربیا کا مذہب Orthodox Church ہے۔ کروایشیا رومن کیتھولک ہیں۔ سلووینیا جرمنی کے ہم مذہبوں کا ہے جیسے ڈوبنا میں یونانی آرتھوڈوکس چرچ ہے۔ یہ ساری عصبیتیں اتنی شدید ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ ۵ سو سالوں میں یورپ کی تمام بڑی جنگوں کے بیج اسی علاقے میں بوئے جاتے رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پہلی جنگ عظیم کا آغاز یہیں سے ہوا تھا اور وہ اس طرح سے کہ آسٹریا کا شہزادہ فرڈیننڈ ایک سربیائی کے ہاتھوں بوسینا کی راجدھانی سرائیو میں مارا گیا۔

لیکن موجودہ وقت میں اس کی نزاکت کچھ اور سوا ہے۔

یہود کی یہ چاہتے ہیں کہ عالم اسلام اور عالم عیسائیت ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ لہٰذا وہ اس کے خواہشمند ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین صلیبی جنگوں کی طرح کوئی جنگ چھڑ جائے۔ اس کے لئے انھوں نے اس علاقے کا انتخاب کیا ہے۔ یہ خود ان کی دقت نظر کی واضح دلیل ہے۔ اس علاقے کے سلسلے میں ایک مشہور یہودی ہیگیٹ علی

کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

وہ لکھتا ہے کہ یہ علاقہ ہمیشہ سے عالم عیسائیت Region of disaffection رہا ہے اور دوسری سب سے اہم بات یہ کہ یہی وہ علاقہ ہے جس کی سرحدیں عالم عیسائیت میں اسلام کی پیشقدمی کی سرحد ہے۔ چنانچہ وہ کئی باتوں کے لئے کوشاں ہیں۔

① بوسینا اور ہرزے گووینا میں عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ قتل عام ہو۔

② اس قتل کو خوب خوب مشتہر کیا جائے۔

③ عالم اسلام اور عالم عیسائیت کو خوب اشتعال دلایا جائے۔

④ عالم اسلام کو اتنا اشتعال دلایا جائے کہ وہ بے قابو ہو کر عیسائیوں پر حملہ آور ہو جائیں۔

⑤ جب عالم اسلام اور عالم عیسائیت کے مابین جنگ چھڑ جائے تو انھیں خوب خوب لڑایا جائے۔ اور مذہبی عصبیتوں کو خوب خوب بھڑکایا جائے۔

⑥ اگر عالم اسلام اس قتل و غارت گری اور اذیت دہی پر ڈر جائے تو یہ خود اس اسلامی سیلاب کو روک دے گا جس کا انھیں خطرہ ہے۔ اور اس دہشتناک انجام سے اسلام کی باقی بچی کھچی طاقت ختم ہو جائے گی اس طرح دو دشمنوں میں ایک سے یہودیوں کو نجات ملے گی۔

یہودیوں کی اس سازش کے مقاصد بنیادی طور پر دو ہیں:

① کمیونزم کے تحت گزشتہ ۷۰ سالوں سے اپنے دشمن عیسائیوں کے ساتھ انھوں نے جو مظالم کئے ہیں کمیونزم کے خاتمے کے بعد ان کو ان سے انتقام کا خطرہ ہے لہٰذا وہ اس انتقام سے بچنے کے لئے رُخ موڑنا چاہتے ہیں۔

② یہودی اپنے دشمنوں مسلمانوں اور عیسائیوں کو باہم صلیبی جنگ جیسی مذہبی لڑائی میں الجھا کر دونوں کے خطروں سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔

وہ یورپ کے عیسائیوں میں یہ عصبیت پھیلا رہے ہیں کہ اگر یورپ میں بوسینا ہرزے گووینا کے نام سے ایک مسلم ریاست کے قائم ہونے کی اجازت دے دی گئی تو یہ

سارے یورپ میں اسلامی ریاست کا پیش خیمہ ہو جائے گا۔ وہاں کے عیسائیوں کی صورتحال یہ ہے کہ ان میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور سربیا کی آرتھوڈکس چرچ دراصل یہودیوں کے خانہ زاد ہے۔

ایسی صورتحال میں عالم اسلام کو دو نقطوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنی ہوگی۔

① بوسینا اور ہرزے گووینا کے مسلم بھائیوں کی نصرت خواہ اس کے لئے جہاد کی کتنی ہی بڑی معرکہ آرائی کیوں نہ کرنی ہو۔

② عیسائی دنیا کا اس سلسلے میں اشتعال کر کے مسلمانوں کو مشکل حالات میں ڈالنے کی یہودی سازش کے توڑ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے قریبی اور دوستانہ تعلقات کا قیام۔